(۵)

فقہ الایراد

تالیف:
جناب الشیخ سامر مظہر قنطقجی

ترجمہ:
علماء ورفقاء کی جماعت، لاہور، پاکستان

فہرست

فقہ الایراد 4
مقدمہ: 4
آمدنی اور پیداوار کے شرعی اصول 4
مقبوضات (قبضہ کے قابل اشیاء) کی قسمیں:۔ 5
آمدنی کے یقینی ہونے کو ضبط اور محفوظ کرنے میں ایک دانشمند سرمایہ کار کا کردار کیا ہوتا ہے؟ 8
آمدنی اور پیداوار کی حدبندیاں:۔ 8
آمدنی اور پیداوار کا مفہوم:۔ 12
واجب الوصول رقوم 14
آمدنی اور پیداوار کا اندراج اور ان کی پیمائش:۔ 15

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

پیش لفظ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی النبی العربی الذی ارسل رحمۃ للعلمین۔۔وبعد،

فقہ المعاملات کے سلسلہ کا یہ پانچواں شمارہ ہے، جس میں مسلمانوں نے اقتصادی نکتۂ نظر سے اسلامی معاملات کی فقہ میں عملا جو کام کیا ہے اس کی روشنی میں ایراد (آمدنی) کی فقہ اور اس کے مفہوم کو بیان کریں گے۔

اگر اس بحث میں پیش کی جانے والی رائے اسلامی شریعت کے مطابق ہے تو اس کی توفیق اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور اگر شریعت اسلامیہ کے مطابق نہیں ہے تو یہ میری خطاء ہو گی، میں اللہ تعالی سے مغفرت کا طلب گار ہوں، مجھے (اجر و ثواب کی غرض سے) یہ کافی ہو گا کہ میں نے کوشش و محنت کی، اے اللہ میرے اس کام کو قبول فرما اور اسے اپنے لئے خالص فرما اور اس میں مسلمانوں کے لئے منفعت اور خیر پیدا فرما، آمین۔

فقہ الایراد

مقدمہ:

آمدنی اور پیداوار کے شرعی اصول

شریعت مطہرہ میں چند ایسے امور کو ضروری قرار دیا گیا ہے جو اکاؤنٹنگ کے شعبہ میں تبدیلیوں اور ترقی کا باعث بنتی ہیں۔ آمدنی یا علم الکسب کی ضرورت تب پیش آئی جب فقہاء کرام نے قابل زکٰوۃ اثاثوں کی تعیین کیلئے ذرائع آمدنیوں کی حدبندی کیلئے پیش رفت فرمائی کیونکہ جس مال سے زکٰوۃ نکالی جاتی ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ بالفعل نامی (بڑھنے والا) ہو اسی وجہ سے علماء نے نماء (بڑھوتری) کے مفہوم اور اس کی شکلوں میں غور وخوض کیا۔

(فقہ الایراد ص:۴، بحوالہ فقہ الزکوۃ مؤسسۃ الرسالۃ د۔ یوسف القرضاوی، بیروت ج:۱، ص:۱۳۹)

یہ سب اس لئے کیا تاکہ نبی علیہ السلام کے اس ارشاد پر عمل ہو جائے کہ "بروز قیامت کسی کے قدم اپنی جگہ سے اسوقت تک نہیں ہٹ سکتے جب تک اس سے چار سوالات نہ کر لیے جائیں:۔

۱. اپنی عمر کس کام میں گزاری
۲. جوانی کس کام میں خرچ کی
۳. مال کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا
۴. اور جو علم حاصل کیا اس پر کیا عمل کیا

(سنن الدارمی:۵۳۸)

لیکن کیا ہر کمائی کو آمدنی شمار کیا جائے گا؟ اور کیا صرف قبضے سے آمدنی کا حکم ثابت ہو جائیگا اور قیمت لگانے کا ایسا کونسا پیمانہ ہے جو فقہ اسلامی کے ساتھ مکمل ہم آہنگ اور اعتدال پر مبنی ہو؟

مقبوضات (قبضہ کے قابل اشیاء) کی قسمیں:۔

عزّ بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ (۶۶۰ھ = ۱۲۶۲ء) فرماتے ہیں کہ مقبوضات کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ وہ قبضہ جس میں شریعت کیطرف سے تو اجازت ہو تاہم اصل مالک مستحق کیطرف سے اجازت نہ ہو مثلاً لقطہ (گمشدہ اشیاء) پر قبضہ، لقیط (نومولود بچہ جس کا کوئی وارث معلوم نہ ہو) کا مال، حکام اور حکومت کے کارندوں کیلئے غاصب سے غصب کردہ شئ کو قبضہ میں لینا۔

۲۔ وہ قبضہ جو مالک کی اجازت پر موقوف ہو جیسے مبیع (فروخت شدہ شئ) پر قبضہ بھاؤ تاؤ کرنے کیلئے قبضہ کرنا۔ مبیع فاسد کے ذریعہ قبضہ کرنا، گروی، صدقات، امانات وغیرہ پر قبضہ کرنا۔

۳۔ مالک اور شریعت کی اجازت کے بغیر قبضہ کرنا، اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ اگر قبضہ کنندہ کو علم تھا کہ اس شئ پر قبضہ کرنا حرام ہے۔ اس کے باوجود وہ قبضے میں لے آتا ہے تو یہ قبضہ غصب کردہ شئ پر قبضہ کے مترادف ہو گا اور ضائع ہونے کی صورت میں اس شئ اور اس کے منافع بھی تاوان میں دینے ہونگے۔

لیکن اگر قبضہ کرنے والے کو اس کی حرمت کا علم نہیں تھا مثلاً کسی کے مال کو اپنا مال سمجھ کر اٹھالیا پھر معلوم ہوا کہ یہ مال کسی اور کا ہے، تو اس صورت میں اُٹھانے والے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ تاہم اس کا اس شئ کا استعمال پھر بھی اس کیلئے جائز نہ ہو گا اور ضائع ہونیکی صورت میں وہی چیز یا اس کا مثل دینا ہو گا۔

(فقہ الایرادص ۴، بحوالہ قواعد الاحکام فی مصالح الانام لعبد السلام العز، ص: ۵۰۴)

یعنی اس تیسری صورت میں حاصل شدہ شئ کا آمدنی اور کمائی شمار نہیں کیا جائیگا۔ اور قبضہ کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس شئ کا تاوان اور ضمان ادا کرے، لہٰذا ہر قبضہ میں لی ہوئی چیز کو آمدنی کے حکم میں شمار نہیں کیا جائیگا۔

اس کے بعد عزالدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ نے قبضہ کی چھ صورتیں ذکر فرمائی ہیں:۔

۱۔ ہاتھ در ہاتھ لینا جن اشیاء میں یہ صورت رائج ہو جیسے زیورات، جواہرات وغیرہ

۲۔ غیر منقولی اشیاء مثلاً زمین، جائیداد، وغیرہ ان اشیاء پر قبضہ کے ثبوت کیلئے ضروری ہے کہ اصل مالک کے قبضے سے نکال کر قبضہ کنندہ کے مکمل تصرف واختیار میں آجائے۔

۳۔ وہ اشیاء جن میں قبضے کیلئے عرف میں نقل وحمل کی ضرورت پڑتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں:۔

(أ) وہ اشیاء جن پر قبضہ کرنے کیلئے ماپ تول کو اختیار کیا جاتا ہے۔ایسی چیزوں پر قبضہ کیلئے ماپنا تولنا ضروری ہے اس کے بعد ان پر قبضہ کیا جائیگا۔

(ب) دوسری قسم وہ اشیاء جو بغیر ناپ تول کے لی جاتی ہیں جیسے سامان، پیتل، تانبا وغیرہ کے جو بائع کے ساتھ مخصوص نہ ہو اور ایسی اشیاء میں قبضے کیلئے صرف تخلیہ (یعنی درمیان میں رکاوٹیں دور کرانا) کافی نہ ہوگا۔

۴۔ درختوں پر لگے ہوئے پھل جب مکمل طور پر پک چکے ہوں، صحیح قول کے مطابق یہاں تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہو جائیگا۔

۵۔ باپ دادا کا اپنے نابالغ بچے، پوتے کیطرف سے ان کے مال پر قبضہ کرنا۔

۶۔ مقروض کا قرض خواہ کے پاس موجود کسی شئ میں حق متعلق ہو اور وہ قرضخواہ کو اپنے قرض کے عوض مقروض کیطرف سے قبضہ کرنے کا وکیل بنادے۔

ان صورتوں سے عزالدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ نے قبضہ کی شکلوں اور اس کے طریقہ کار کو واضح فرمایا:

- قبضہ کی پہلی صورت میں قبضہ ہاتھ در ہاتھ لینے کے عمل سے انجام پذیر ہوتا ہے، جیسے کہ خرید و فروخت کی اشیاء
- دوسری صورت جامد یعنی غیر منقولہ اثاثوں پر قبضہ کیلئے اہلیت رکھتی ہے
- تیسری صورت کو جاری اثاثوں کیلئے اختیار کیا جاسکتا ہے
- جبکہ چوتھی صورت کو امانات اور اس آمدنی پر قبضہ کیلئے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جو میراث وصیت وغیرہ کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔
- چھٹی صورت حوالہ جات (رقوم کی ترسیل) اور قرضوں کے حصول کیلئے ہے۔

اور قبضے کی ان چھ صورتوں کا تعلق مقبوضات کی ان دونوں قسموں سے ہے جو ابتداء میں ذکر کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے تیسری قسم شرعاً حرام ہے اس میں نہ ہی قبضے کا اعتبار ہے اور نہ ہی شرعاًیہ آمدنی کی قسموں میں شمار کی جاسکتی ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی نے قبضہ اور اس سے متعلقہ جدید صورتوں کے بارے میں درج ذیل تحقیق فرمائی ہے:۔

نمبر ایک: اشیاء کے قبضے کی ایک شکل حسّی ہے مثلاً خریدار کے ہاتھ میں چیز تھمادینا، غلہ کو تولنا یا کسی شی کو منتقل کر کے قبضہ کنندہ کے تصرف و اختیار میں دے دینا۔

اسی طرح قبضہ کی ایک حکمی اور اعتباری شکل ہے (جسے حکمی قبضہ کہا جاتا ہے) یعنی قابض اور شئ کے درمیان اس طرح تخلیہ کر دیا جاتا ہے کہ وہ اس میں کوئی بھی تصرف کرنے پر مکمل طور پر آزاد ہو اگر چہ اس کا حسّی قبضہ نہ پایا جائے۔

نمبر دو: درج ذیل شکلیں حکمی قبضہ کی صورتیں ہیں جو شرعاً و عرفاً معتبر ہیں۔

ا. کھاتہ دار کے اکاؤنٹ میں رقم کی کوئی مقدار براہ راست یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ جمع کرادی گئی ہو۔

اَ. اکاؤنٹ ہولڈر بینک کے ساتھ ایک کرنسی کا دوسری کرنسی کے بدلہ تبادلہ کر رہا ہو اور اس کے نتیجہ میں اکاؤنٹ میں رقم جمع کرادی گئی ہو۔

ب. بینک نے کھاتہ دار کی اجازت سے اس کے ایک اکاؤنٹ سے رقم نکال کر اس کے دوسرے اکاؤنٹ میں کسی اور کرنسی کی شکل میں رقم ڈال دی ہو چاہے اسی بینک میں اس کا دوسرا اکاؤنٹ ہو یا کسی دوسرے بینک میں ہو، تاہم اس ضمن میں عقدِ صرف سے متعلقہ احکام کی رعایت کرنا بینکوں کے ذمہ لازم ہے۔ جس صورت میں کلائنٹ ادائیگی پر عملاً قادر ہو اس صورت میں اس کیلئے بینک ڈرافٹ کی ادائیگی میں تاخیر اتنی مدت تک کیلئے جائز ہے جو ایسے اداروں میں معروف ہے بشرطیکہ اس مدت کے دوران کرنسی میں کوئی تصرف نہ

کرے۔ ہاں اگر اس ڈرافٹ کے حصول کا اثر بالفعل ادائیگی کو ممکن بنانے کی شکل میں ظاہر ہو جائے تو پھر کلائنٹ کرنسیوں میں تصرف کر سکتا ہے۔

۲. چیک پر قبضہ کرنا بشرطیکہ اس کا اکاؤنٹ ہو جہاں سے وہ اس چیک کو کیش کرانے پر قادر ہو۔

(فقہ الایراد، مجلۃ المجمع (شمارہ ۶، ج:۱، ص: ۴۵۳) فیصلہ نمبر ۵۳ (۶/۴))

آمدنی کے یقینی ہونے کو ضبط اور محفوظ کرنے میں ایک دانشمند سرمایہ کار کا کردار کیا ہوتا ہے؟

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے کاروبار کرنے والے کیلئے چار چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے تا کہ اس کے معاملات صحیح ہوں اور اس کی تدابیر منظم رہیں۔

۱۔ اللہ کا خوف کیونکہ دین آدمی کے مراتب کا تعین کرتا ہے

۲۔ معاملہ فہمی اور تجربہ کاری

۳۔ منصف مزاجی جو کاروبار کیلئے ایک اساسی شرط ہے

۴۔ مسائل کا علم

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ ایک مسلمان ماہر سرمایہ کار کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے احکامات کی حکم عدولی نہیں کرتا وہ تمام معاملات اور نتائج سے باخبر اور عملی سوجھ بوجھ رکھنے والا ہوتا ہے۔ تا کہ اس کے ذریعہ وہ عدل کے پیغام کو ثابت کر سکے جو ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ تو ایسا مسلمان کسی حرام کام میں نہیں پڑتا اور اخراجات و آمدنی سے حاصل ہونے والی اشیاء میں شبہہ سے بھی دور رہتا ہے۔

(فقہ الایراد بحوالہ ابن قدامہ ص: ۱۸۴)

آمدنی اور پیداوار کی حد بندیاں:۔

جیسا کہ یہ امر طے ہے کہ لاگت اور اصل اخراجات کا مقصد آمدنی اور بڑھوتری کا حصول ہے اگر یہ اخراجات آمدنی کے حصول کیلئے ہیں تو اوصولی کی نسبت کو نصف تک کم کر دیا جائیگا جیسا کہ زمین کے خراج میں یہی کیا جاتا ہے۔

اسی طرح رہائشی مکان جو کہ کسی آمدنی کا باعث نہیں بنتے وہ بھی زکوٰۃ وخراج سے مستثنیٰ ہیں، البتہ جب رہائشی مکانات کرایہ پر دے جائیں تو ان پر زکوٰۃ ہے۔ اور ہر پیداوار اور نوع کی وصولی کا تناسب مختلف ہو سکتا ہے علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے پیداوار پر مثبت یا منفی طور پر اثر انداز ہونے کے چار عوامل ذکر کیے ہیں:۔

١) عمدگی: جیسے مختلف قسم کی زمینیں۔

٢) نوعیت: جیسے مختلف قسم کی فصلیں۔

٣) لاگت: جیسے زمین کو سیراب کرنے کی مختلف شکلیں ہیں، انسانی عوامل سے یا اس کے بغیر قدرتی ذرائع سے سیراب کرنا دونوں میں امتیاز فرمایا ہے، انسانی ذرائع سے سیراب کرنا جیسے پانی بیلوں سے سینچنا، رہٹ یا نل چاہی سے سیراب کرنا یا قدرتی عوامل سے سیراب کرنا جیسے بارش وغیرہ، دونوں طریقوں سے سیراب کرنے کے اخراجات میں فرق ہے۔

٤) بازار کے قریب واقع ہونا: اسی طرح ہر وہ عنصری عوامل جس کا تعلق بازار کے قرب وبعد سے ہو۔ اور اس کا نقل وحمل کی لاگت پر اثر انداز ہونا۔

(فقہ الایراد، ص:٩-١٠، بحوالہ الاحکام السلطانیہ للماوردی ص:٢٦٦)

چنانچہ فرماتے ہیں: اسی طرح ضروری ہے کہ خراج وصول کرنے والا ہر زمین کے بارے خراج کی مقدار کو مد نظر رکھے۔ کیونکہ ہر زمین کی آمدنی مختلف ہو سکتی ہے اس کی تین وجوہات ہیں:۔

١) اس کا تعلق زمین کے ساتھ ہے اگر زمین زرخیز اور عمدہ ہوگی تو اس سے پیداوار کی بھی نشوونما ہوگی اور اگر زمین ہلکی ہوگی تو اس کی وجہ سے آمدنی میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔

٢) پھل غلہ اجناس کی قسم کیونکہ بعض اجناس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور بعض کی کم تو خراج بھی اس کے حساب سے ہونا چاہیے۔

٣) اس کا تعلق آبپاشی اور آبیاری کے ساتھ ہے، اس لیے کہ جس زمین کو اونٹوں اور رہٹ کے ذریعہ سیراب کیا جائے گا اس کی لاگت اس زمین سے زیادہ ہوگی جسے بارش وغیرہ سے سیراب کیا جائے گا۔ (رہٹ وغیرہ سے

سیراب ہونے والی زمین خراج کے اسقدر متحمل نہیں ہو سکتی جیسی وہ زمین ہو سکتی ہے جسے بارش کا پانی لگایا جاتا ہو)

۴) بعض علماء کے نزدیک ایک چوتھی وجہ بھی ہے وہ اس زمین کا شہر اور بازاروں سے قرب و بعد ہے اسی فرق کی بنا پر اخراجات میں کمی بیشی ہو سکتی ہے نیز انہوں نے کسی جگہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ لاگت کی مقدار اور منفعت کے حجم سے آمدنی کسی حد تک متاثر ہوتی ہے لہذا اس صورت میں پانی کی منفعت وافر اور لاگت کم سے کم ہو گی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: "اس صورت میں پانی کا نفع بہت ہے اور لاگت کم ہے۔

(فقہ الایراد ص:۱۰-۱۱، بحوالہ الاحکام السلطانیہ للماوردی ص:۱۴۹)

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ اسراف و تبذیر سے مال ضائع ہو جاتا ہے۔ اسراف سے اس جگہ مراد یہ ہے کہ آدمی حقوق کی مقدار سے ناواقف ہو اور تبذیر سے مراد حقوق کی جگہوں سے غافل ہونا ہے"۔ لکھتے ہیں: "اسی وجہ سے مادے کے حصول کا ذریعہ الہام کو قرار نہیں دیا گیا بلکہ عقل کو اس کا ذریعہ قرار دیا گیا اور دین کو حاکم بنایا گیا ہے تاکہ انسان کی سعادت مکمل ہو جائے اور ہر چیز میں مصلحت شامل ہو جائے۔

پھر اللہ جل شانہ نے انسانی حاجات کو پورا کرنے اور منافع کے حصول کیلئے دو چیزوں کو ذریعہ قرار دیا۔

(۱) مادہ (۲) محنت و کسب

مادہ نمو اور بڑھوتری کے قابل اشیاء کو استعمال میں لانے کے نتیجہ سے حاصل ہونی والی شئی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) بڑھنے والی نباتات (۲) نسل در نسل حیوانات و انسان

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:۔

{ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ } (سورۃ النجم: ۴۸)

ترجمہ: "اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور سرمایہ باقی رکھتا ہے"۔

ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی اپنی خلقت کو مال کے ذریعے سے بے غنی کرتا ہے اور اقنیٰ یعنی "قنیہ" اصول اموال اور سرمایہ عطاء فرماتے۔

دوسری چیز کسب و کمائی ہے یہ ان امور کے ذریعہ ہو گا جو مادے کے حصول اور حاجت روائی کا باعث بنتے ہیں اس کی دو شکلیں ہیں۔ نمبرا: تجارت کا عمل۔ نمبر۲: صنعت و حرفت۔

اور یہی دونوں مادے کے تابع ہیں، اس طرح مادے اور کمائی رائج شکلوں کے اسباب کے لحاظ سے چار قسمیں ہو گئی ہیں۔

(أ) تجارت سے نفع حاصل کرنا

(ب) حیوانات کا عمل توالد و نسل کشی

(ت) کھیتی کی نشو و نما

(ث) پیشہ و ہنر کو اختیار کرنا

(فقہ الایراد ص:۱۱ الماوردی: ادب الدنیاالدین ص ۲۰۶)

یعنی مادہ کمائی اور آمدنی کے حصول کیلئے اساس کی حیثیت رکھتا ہے چاہیے تجارت کی شکل میں ہو یا صنعت کاری و زراعت کے ذریعہ ہو اور دین کو اس کسب بر قاضی و حاکم مقرر کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے مادے کی راہنمائی کیلئے عقل و تجربہ کو منتخب کیا گیا ہے دین کو معیار نہیں قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ حلال و حرام میں فرق و تمیز کر سکے علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے پیداوار کے حصول کیلئے ان چاروں شکلوں کا ذکر فرمایا ہے۔

نمبرا: بڑھوتری: اس سے مراد زراعت کی بڑھوتری ہے۔

نمبر۲: توالد: جانوروں کی نسل بڑھانا مراد ہے۔

نمبر۳: منافع: یعنی تجارت کر کے نفع حاصل کرنا

نمبر۴: کسب: اس سے مراد صنعتی کمائی ہے۔

ابن خلدون فرماتے ہیں۔ کسب و معاش کی صورتیں ہی عمل و محنت کی قسمیں تصور ہوتی ہیں۔ تو جب اعمال کی قسمیں بڑھ جاتی ہیں تو تولد محالہ کسب کی ضرورت بھی بڑھ جاتی ہے نیز خوشحالی اور مالداری کی خواہشات لوگوں کو اس امر کیطرف مائل کرتی ہیں کہ وہ عمدہ لباس مکانات برتن حشم و قدم اور اعلیٰ سواریوں سے متمتع ہوں اور ان خواہشات کو پورا کرنے کیلئے بڑی قیمتوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

(فقہ الایراد ص:۱۲، بحوالہ مقدمہ ابن خلدون، ص:۳۶۰)

اور ان کی انجام دہی کیلئے ماہرین وپیشہ ور لوگوں کو منتخب کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اعمال اور پیشوں کے بازار مانند پڑ جاتے ہیں اور شہر کی آمدنی وپیداوار میں اضافہ ہو جاتا ہے اور مالداری کے متمنی افراد کو کچھ مالی فراوانی میسر آجاتی ہے۔

اور جب آبادیوں میں اضافہ ہونے لگتا ہے تو کام کاج کی ضرورت بھی بڑھ جاتی ہے اور پھر کسب کے تحت خوشحالی بھی بڑھ جاتی ہے اور لوگوں کی خواہشات اور منافع بھی بڑھ جاتے ہیں اور نئی نئی کاریگری کی ضرورتوں کو برآمد کیا جاتا ہے۔ جس کیوجہ سے ان پیشوں کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور شہر میں کسب معاش کا بازار ایک دفعہ پھر گرم ہو جاتا ہے۔ اور کام کاج کی مارکیٹ پہلے سے زیادہ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ اور پھر ہر دفعہ یہی صورتحال جاری رہتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر ضروری حاجات کو پورا کرنے کا تعلق مالداری اور خوشحالی کیساتھ ہوتا ہے۔ جبکہ ضروری حاجات صرف معاشی حد تک محدود رہتی ہیں۔

آمدنی اور پیداوار کا مفہوم:۔

آمدنی کے مفہوم سے مراد وہ عنصر ہے جو اثاثوں کو تجارتی اثاثے اور غیر تجارتی کی شکل میں تقسیم کرنے کا باعث ہو کیونکہ غیر تجارتی اثاثے قابل نمو اور بڑھوتری ہیں جیسے چوپائے یہ فی الحال نامی یعنی بڑھنے والے ہیں کیونکہ ان کی پرورش سے توالد کا سلسلہ چلتا ہے اور دودھ وگھی کے حصول کا ذریع بنتے ہیں۔ اور ان کا اضافہ اور بڑھوتری فطری امر ہے۔

اسی طرح تجارتی مال بھی ایک قابل اضافہ شئ ہے۔ اس لیے کہ وہ نفع اور آمدنی کا باعث بنتے ہیں۔ اگرچہ ایسی اشیاء میں نشوونما حیوانی نشوونما کیطرح فطری نہیں ہے۔ اور زرعی نشوونما بھی ایک مصنوعی نشوونما ہے جو فطری نشوونما کے قریب ہے۔

نقود کا شمار بھی اموال نامیہ میں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تبادلہ کا ذریعہ سامان تجارت کا متبادل اور اشیاء کی قیمتیں لگانے کا ایک آلہ ہے تو جب صنعت و تجارتی جیسے امور میں ان سے کام لیا جائے تو یہ پیداوار اور نفع کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں اور نماء مقصود کا یہی مطلب ہے۔ باقی رہے اناج غلّے اور پھل تو ان کا بذات خود نماء اور مستقل آمدنی میں شمار ہوتا ہے۔ انہیں کے حکم میں شہد، معدنیات اور دفینے ہیں۔ (شکل (۱))

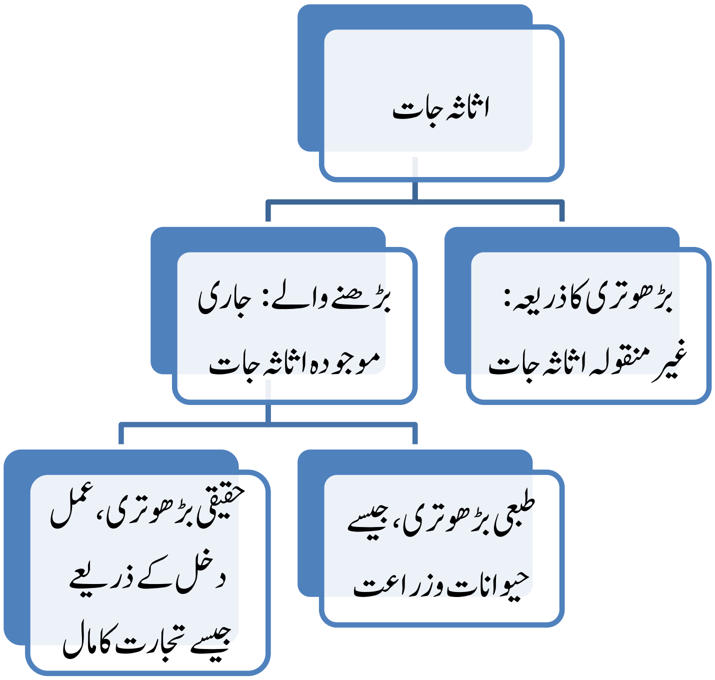

شکل (۱) اثاثہ جات کی تقسیم

جیسا کہ نماء (بڑھوتری) کا تصور و مفہوم قرضوں کی زکوٰۃ پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسی مفہوم کی بنا پر دیون (واجب الوصول رقوم) کو تین قسموں میں منقسم کیا گیا ہے:

۱. ایسے دیون (واجب الوصول رقوم) جن کی وصول یابی کی امید ہے
۲. ایسے دیون (واجب الوصول رقوم) جن کی وصولی مشکوک اور ظنی ہے

۳. ایسے دیون (واجب الوصول رقوم) جو جونا قابل وصول ہیں

تو اب اس مسئلہ میں علماء نے تحقیق فرمائی ہے کہ دیون (واجب الوصول رقوم) کی زکوٰۃ کسی طرح ادا کی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیکر اب تک جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے کہ واجب الوصول رقوم کی تین ہی قسمیں ہیں۔ اور ان کے بارے میں مالیاتی پالیسی کے اختلاف کا نتیجہ بھی آمدنی کے حاصل ہونے کی شکل میں ظاہر ہو گا۔

(فقہ الایراد ص: ۱۴، بحوالہ فقہ الزکوٰۃ الشیخ یوسف القرضاوی ج:۱، ص:۱۴۱-۱۴۲، ۱۳۶)

تو وصولیوں کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کر کے ان کو پاک کرنا، انہیں مستقل آمدنی شمار کرنے کے مترادف ہے۔ تاہم اگر قرض خواہ صرف اسی سال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ جس سال اس نے اپنے دیون پر قبضہ کیا ہے۔ تو اس میں صاحب دین کی ضائع شدہ موقع کی تلافی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ دین دار نے صاحب دین کیلئے سرمایہ کاری کا موقع ضائع کر دیا ہے، جو رقم اس نے دین دار کو دے رکھی تھی۔ باقی تیسری رائے کہ دین ادا کرنے اور نئے سرے سے سال گزرنا ضروری ہے تو اس قول میں ان قواعد کی رعایت ہے جن کے تحت مال کو کاروبار میں لگایا جاتا ہے اور اس کی آمدنی سے زکوٰۃ ادا کیجائے اور مجمع فقہ اسلامی نے مدیون کی حالت کو مدنظر رکھا ہے اگر دین دار مالدار اور قرض واپس کرنے کی استطاعت رکھتا ہے تو اس صورت میں قرض خواہ پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہو گی اور اگر دین دار تنگدست ہے یا وہ دینے میں ٹال مٹول کر رہا ہے تو دین پر قبضہ کرنے کے بعد سے نئے سرے سے سال گذرنا ضروری ہے۔ اس سے پہلے زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔

واجب الوصول رقوم

۱. **وہ رقوم جن کی وصولی کی امید ہے:** وہ اس طرح کہ وہ رقوم اس شخص کے ذمہ ہے جو تنگ دست نہیں اور اس دین کی ادائیگی کا اقرار بھی کرتا ہے۔

۲. **وہ رقوم جن کی وصولی مشکوک ہے:** کہ وہ دین ایسے شخص کے ذمہ ہے جو تنگ دست ہے اور اس کی تنگ دستی کے رفع ہونے کی توقع بھی نہیں ہے، یا ایسے شخص کے ذمہ ہے جو اس دین سے انکاری ہے اور اس کے خلاف کوئی بینہ (گواہی) بھی نہیں ہے تو اس دین (واجب الوصول رقم) کے متعلق تین مذاہب ہیں:

أ. جب وہ رقم مل جائے تو گذشتہ سالوں کی بابت اس کی زکوۃ ادا کرلے۔

ب. جب وہ رقم مل جائے تو صرف گذشتہ ایک سال کی بابت اس کی زکوۃ ادا کرلے۔

ت. اس کے ذمہ گذشتہ سالوں کی بابت اس کے ذمہ کوئی زکوۃ نہیں ہے اور اب سے اس کا نیا سال شروع ہوگا۔

۳. **ناقابل وصول ہلاک شدہ یا نامیدی والی رقوم:** ان پر اس وقت تک زکوۃ نہیں ہے جب تک کہ وہ وصول نہ ہو جائیں۔

(فقہ الایراد ص:۱۵، بحوالہ مجلۃ المجمع (شمارہ ۲، ج:۱/۶۱))

آمدنی اور پیداوار کا اندراج اور ان کی پیمائش:۔

رجسٹر میں حاصل شدہ آمدنی اور پیداوار کے اندراج کے حوالہ سے علامہ نویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آمدنیوں کے اندراج کے عمل کے دو مرحلے ہیں:

۱) روزنامچہ کے ایک گوشے میں آمدنی کا ذکر کرنا

۲) اس کی نوعیت کے لحاظ سے کھاتہ بنام (لیجر) میں ان کے ابواب کے لحاظ سے ذکر کرنا

(فقہ الایراد، ص:۱۶، بحوالہ نہایت الارب فی فنون الادب، ص:۲۶۱)

اور یہ بھی فرمایا کہ محاسب (اکاؤنٹنٹ) کی ذمہ داریوں میں سے یہ بھی ہے کہ اگر وہ صنعتی شعبے سے متعلقہ امور کا محاسب ہو تو وہ آمدنی کی اگرائی بھی کرے اور گنے کو نچوڑنے کی صنعت اور مصنوعات کی چوری وخیانت اور غیر ذمہ دارانہ رویہ سے بچنے کیلئے نگران پر واجب ہے کہ درج ذیل تدابیر پر عمل کرے۔

۱) روزانہ کی بنیاد پر مخزومہ (کھاتہ بنام یا بن کارڈ سے ملتی جلتی) کتاب کو مرتب کرے، جس میں تاریخ، مال آمد واخراج، جاری کردہ اور خرید وفروخت اور استعمال کردہ مقدار، زیادہ ادا کردہ مزدوری اور زیادہ ادا کردہ گارنٹیاں، چھٹیاں اور کرایوں کی رپورٹیں، مستحق رقوم کے اہل لوگوں کی ترتیب، جو استعمال ہو اس کو درج کرنا اور جو خرچ ہو اسے خرچہ میں

اس طرح سے لکھنا وغیرہ امور کو سرانجام دینا، کہ اس کے کام کے دوران درج بالا تمام چھوٹے بڑے امور جو اس عمل کے سلسلہ میں پیش آتے ہوں ان کا بالتفصیل اندراج کیا جائے۔

یہ تفصیل لکھنا ہی حساب کتاب کا اصل کام ہے، یعنی روزنامچہ روزانہ کے روزانہ مکمل کرنا ہی حساب کتاب کا اصل کام ہے جس سے ضرورت کے وقت تمام تفصیل دست یاب ہو جاتی ہے، جس نے کام کو آج اچھی طرح سے مکمل کرکے درج کرلیا اس کے آئندہ آنے والے تمام حسابات منضبط ہو جاتے ہیں، جانچ پڑتال کرنے والا اور یہ روزانہ کی بنیاد پر اندراج ہی عمل محاسبی اکاؤنٹینگ کی بنیاد و اساس ہے تو جو آج کے دن تمام معاملات ضبط میں لے آئے اس کے اگلے معاملات بھی منضبط ہوتے چلے جائیں گے۔

اور اس اندراج کے عمل میں آڈٹ کرنے والے اور نگران دونوں برابر ہیں۔ پھر دن کے اختتام پر ان تمام اندراجوں اور گوشواروں کا باہمی تقابل کیا جائیگا۔ اور جو قابل اضافہ امور ہیں ان کا اضافہ کیا جائے گا اور اس کی نگرانی کنندہ کی تعداد کے برابر کاپیاں بنائی جائیں گی۔

اور اگر کسی نگران کا اختلاف ہو جائے تو اسپر لازم ہے کہ وہ روزنامچہ میں ذکر کردہ دیگر احوال اور امور کیساتھ روزنامچہ میں اس اختلاف کا بھی ذکر کرے، اس طریقہ سے غیر حاضر بھی براہ راست کام کرنے والے کے حکم میں ہو جائیگا اور محاسب کی تحریر کو دلیل شمار کیا جائے گا۔ اس عمل کے ذریعہ سے ذمہ داری کے نظام کو باریکی کے ساتھ قابو میں لایا جاسکتا ہے۔

۲) تمام کام کو منظم کرنا (میزان بقایا جات (ٹرائل بیلنس) یا کھاتہ بنام کی طرح سے)۔

باقی جہاں تک کرایہ داری اور عقد اجارہ میں محاسبی کا تعلق ہے تو اس حوالہ سے بعض علماء نے ماہانہ کرایہ داری کو (قمری) ماہانہ حاصل ہونے والے اموال کے باب میں ذکر فرمایا ہے جبکہ دیگر بعض حضرات نے عقد اجارہ کو خراجی یعنی (شمسی) سالانہ بنیادوں پر حاصل ہونے والے احوال نے ذیل میں ذکر فرمایا ہے۔

علامہ نویری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ مالی فہرستوں کے ضمن میں ماہانہ آمدنیوں اور سالانہ آمدنیوں کو الگ الگ رکھا جائے گا۔

(فقہ الایراد، ص:۱۶، بحوالہ نہایت الارب فی فنون الادب، ص:۲۳۳)

اور اس ضمن میں انہوں نے حساب کتاب کا ایک مسئلہ بھی ذکر فرمایا ہے جس میں ایک گونہ اشکال تھا وہ یہ کہ ایک باغ کو سالانہ بنیاد پر کرایہ پر دیا گیا اس میں موجود ایک مکان ہے جس کا کرایہ ماہانہ کی بنیاد پر ہے اب ان دونوں عقود کو جمع کرنے کی کیا صورت ہو گی؟

(فقہ الایراد، ص:۱۶، بحوالہ نہایت الارب فی فنون الادب، ص:۲۷۲)

علامہ نویری رحمۃ اللہ نے اس جگہ دونوں آمدنیوں کو ایک دوسرے سے جدا رکھنے کی ضرورت کو واضح فرمایا اور اگر صورت مذکورہ میں مکان کا الگ عقد کرنا ناممکن ہو تو مکان یہاں باغ کے تابع ہے (لہٰذا باغ کے ضمن میں مکان کا عقد اجارہ ٹھیک ہو جائے گا) فرع اصل کے تابع ہی ہوتی ہے۔ تو اس اشکال کو دور کرنے کیلئے علامہ نویری رحمۃ اللہ علیہ نے باہمی تناسب کے عمل کو اختیار فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ بعض اداروں کے محاسبین کے ہاں پر معروف ہے کہ مکانات دوکانیں، اور وہ باغات جن کی پیداوار کا منافع ماہانہ بنیادوں پر ملتا ہے اسی طرح مچھلی کی شکار گاہیں اور تل کے تیل کو نکالنے والے کارخانے ان کا کرایہ ماہانہ بنیاد پر وصول کیا جائے گا۔ تاہم بعض حضرات ان آمدنیوں اور پیداوار کو خراجی شعبے (یعنی سالانہ کرایہ) ہی میں داخل کرتے ہیں اور یہی زیادہ مناسب ہے، یہاں اس اختلاف کو بیان کرنے کے لئے ہم نے تنبیہ کر دی ہے۔

اور جہاں تک آمدنی کا اندازہ اور اس کی پیمائش و گنتی اور دیکھ بھال کا مسئلہ ہے تو اسمیں علامہ نویری رحمۃ اللہ علیہ نے متوقع آمدنیوں کی حدبندی کیلئے ایک تجزیاتی طریقہ کو اختیار فرمایا ہے اور اس میں اچھے یعنی کثیر و متوسط اور گھٹیا یعنی قحط زدہ پیداوار تین مختلف سالوں کی پیداوار کا اندازہ لگایا جائے گا تاکہ حاصل ہونے والی یا قابل وصول آمدنی کا درست اندازہ ہو سکے۔

(فقہ الایراد، ص:۱۸، بحوالہ نہایت الارب فی فنون الادب، ص:۲۹۵)

عباسی وزیر علی بن عیسی (تاریخ 307ھ = 920ء) نے آمدنیوں کے حساب کیلئے نظام عبرت سے کام لیا ہے نظام عبرت سے یہ مراد ہے کہ مثلاً دو سالوں کی پیداوار جن میں باہمی تفاوت ہو یعنی ایک کی آمدنی زیادہ اور دوسرے سال کی آمدنی کم ہو، ان دونوں کو جمع کر کے اس کا اوسط نکالا جائے۔

(فقہ الایراد، ص:۱۸، بحوالہ علی بن عیسی اصلاحاتہ الاقتصادیۃ والاداریہ لضیف اللہ الزہرانی، ص:۱۰۲)

خلاصہ یہ کہ کسب و کمائی سے مراد آمدنی کو وجود میں لانا یا اس کے قریب کرنا ہے۔ یا ان تمام کاروائیوں کو سرانجام دینا ہے جو اقتصادی اکائی کو آمدنی کے حصول کا حق دار بنادیں کیونکہ یہ آیت کریمہ {وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ} (سورۃ الانعام: ۱۴۱) ترجمہ: "اور اس میں حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو"۔ ایک اہم اصول پر مشتمل ہے وہ یہ کہ پیداوار کے حصول کے وقت جو آمدنی ہوگی وہی معتبر ہوگی بیچنے کے وقت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اور یہ وہ اصول ہے جو جدید اقتصادی رجحانات کے ہم آہنگ ہے خاص کر غلّہ اجناس کے معاملات میں، کیونکہ یہاں سال کا گزرنا شرط نہیں ہے اور اس پر ان پیداوار کو قیاس کیا جائے گا جو صنعتی عمل کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں، لہٰذا کانوں سے جو معدنیات دریافت ہوں انہیں بذات خود نماء (بڑھوتری) کے حکم میں شمار کیا جائے گا کیونکہ نصاب کا اعتبار انہی غرض سے کیا جاتا ہے کہ مال اتنی مقدار تک پہنچ جائے جو اعانت کے قابل ہوسکے اور سال کا اعتبار تو مال کو بڑھانے اور بارآور کرنے کیلئے ہے۔

(فقہ الربح ص:۱۹، بحوالہ فقہ الزکاۃ للقرضاوی ج:۱، ص:۴۴۷)

اور جہاں تک قیمت کا تعلق ہے تو اس حوالہ سے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مثلی قیمت کو طلب اور رسد کے عوامل کے ساتھ مربوط کرنے کا جو نظریہ ہے جس میں طلب کی زیادتی یا اشیاء صرف کی کمی کی بنا پر قیمتوں کی زیادتی کو مبنی بر انصاف قرار دیا گیا ہے تو یہ ہی نظریہ ہمارے رائے میں بھی عادلانہ اور مناسب طریقہ ہے۔

اور اس مثلی قیمت کے معیار کو آخری مدت خرید کی اشیاء کی قیمت لگانے کے لئے بھی اختیار کیا جاسکتا ہے مثلاً خام مال کو اس جیسے ہم مثل قیمت والے خام مال کی قیمت لگائی جائے اور آدھے تیار شدہ مال کی قیمت اس کے ہم مثل مال کی قیمت کے ساتھ قیمت لگانا اور مکمل تیار شدہ مال کی قیمت اس کے ہم مثل مال والی قیمت لگانا ہوگی ہر چیز کی اس کے وقت اور صورت حال کے مطابق قیمت لگانی ہوگی۔

(فقہ الربح ص:۱۹، بحوالہ الاقتصاد الاسلامی القحف دار القلم الکویت ص:۱۰۶)

تاہم دوبارہ قیمت لگانے (چیز کی پڑے پڑے قیمت بڑھ جانے) سے جو نفع حاصل ہو گا اس صورت میں جیسا کہ امام ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اسے سرمایہ کا نفع قرار دیا جائے نہ کہ آمدنی، جس کے تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ سرمایہ میں اس کا اضافہ کر دیا جائے گا، یا پیداواری اثاثہ جات کی حفاظت کے لئے احتیاطی سرمایہ بنالیا جائے گا، جیسا کہ نبی علیہ السلام نے بھی اس کی تاکید فرمائی ہے۔

تاہم اگر شرکاء کی رائے یہ ہو جائے کہ ایسے نفع کو بھی تقسیم کر دیا جائے تو اس صورت میں فریق ثانی کو اختیار ہو گا کہ وہ اس شریک کا حصہ نقداً موجودہ بازاری ہم مثل قیمت کے مطابق خریدے یا اسے اسی حالت میں سامان کے طور پر لے کر اسے اپنے تصرف میں لے آئے۔

اس بنا پر ایسی آمدنی کو تقسیم کرنے کے مسئلہ کا تعلق اختیار کی گئی مالیاتی پالیسی کے ساتھ ہے چاہے اس کے فروخت ہونے کا انتظار کیا جائے یا نہیں، لیکن جہاں تک زکوٰۃ کے حساب کا تعلق ہے تو اس میں اس امر سے کوئی چارہ نہیں کہ ایسے نفع کی مثلی قیمت نقدی طور پر لگائی جائے یا عین کی شکل میں ہی زکوٰۃ ادا کر دی جائے اس کے بعد مستحق زکوٰۃ اپنی مرضی کے مطابق اسے استعمال کرے۔

(فقہ الربح ص:۲۰)

انتهى والحمد لله رب العالمين

مركز سامر قنطقجي لتطوير الأعمال

للمراسلة:

هاتف فاكس ٢٣٠٧٧٢ (٣٣ - ٠٠٩٦٣)

ص.ب ٧٥ – حماة - سورية

www.kantakji.org

مآخذ

۱ .سنن الدارمی

۲ .عبد السلام ، العز ، قواعد الأحکام فی مصالح الأنام، تحقیق عبد الغنی الدقر ، دار الطباع بدمشق ، ۱۹۹۲ ، طبعۃ ۱ ، ص ۵۰۴.

۳ .الماوردی ، أبی الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری، الأحکام السلطانیۃ ، مطبعۃ الحلبی بمصر ۱۹۸۷ الطبعۃ ۳.

۴ .الماوردی ، أبی الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری، أدب الدنیا والدین ، مطبعۃ الحلبی بمصر ، ۱۹۵۵.

۵ .النوّیری، شہاب الدین أحمد ، ایۃ الأرب فی فنون الأدب، وزارۃ الثقافۃ المصریۃ ، الجزء ۳۰۸ ، ۸ صفحات.

۶ .الزہرانی ، د .ضیف اللہ ، الوزیر العباسی علی بن عیسی بن داوود بن الجراح إصلاحاتہ الاقتصادیۃ والإداریۃ، ۱۹۹۴.

۷/ ۶ .مجلۃ مجمع الفقہ الإسلامی ، الأعداد ۲.

۸ .ابن خلدون ، عبد الرحمن ، مقدمۃ ابن خلدون ، مطبعۃ مصطفی محمد ، ۵۸۸ صفحۃ.

۹ .القحف ، د .منذر ، الإقتصاد الإسلامی ، دار القلم بالکویت، ۱۹۷۹.

۱۰ . القرضاوی، د .یوسف، ، فقہ الزکاۃ، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۹۹۴ ، ط ۲۲ ، جزءان.